مرزا محمّد رفیع سوداؔ

(1713 – 1781)

سوداؔ دلّی میں ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے مطابق اعلا تعلیم حاصل کی۔ شاعری میں وہ کچھ دن دلّی کے مشہور اُستاد شاہ حاتمؔ کے شاگرد رہے۔ غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت کی بِنا پر سوداؔ اپنے ہم چشموں میں بہت جلد ممتاز ہوگئے۔ چند ہی دنوں میں وہ دلّی کے سب سے مشہور شاعر ہوگئے۔ غزل کے علاوہ قصیدہ اور مرثیہ کو بھی انھوں نے اپنا میدان بنایا۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سوداؔ اُردو کے سب سے بڑے قصیدہ نگار ہیں۔

دلّی پر جب بُرا وقت پڑا تو سوداؔ بھی پریشانی میں مُبتلا ہوئے۔ 1760 کے آس پاس سوداؔ نے دلّی چھوڑدی اور کئی سال فرّخ آباد رہ کر لکھنؤ پہنچے۔ وہاں نواب آصف الدّولہ نے ان کو بڑے اعزاز سے رکھا۔ اس لیے سوداؔ لکھنؤ ہی کے ہو رہے۔ اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔

قصیدے میں تو اپنی اونچی اُڑان، الفاظ پر قدرت اور نئی نئی باتیں نکالنے کی صلاحیت کی بِنا پر سوداؔ سب سے آگے ہیں ہی، لیکن ان کی وہ نظمیں بھی بہت اہم ہیں جن میں انھوں نے زمانے کی بدحالی پر طنز کیا

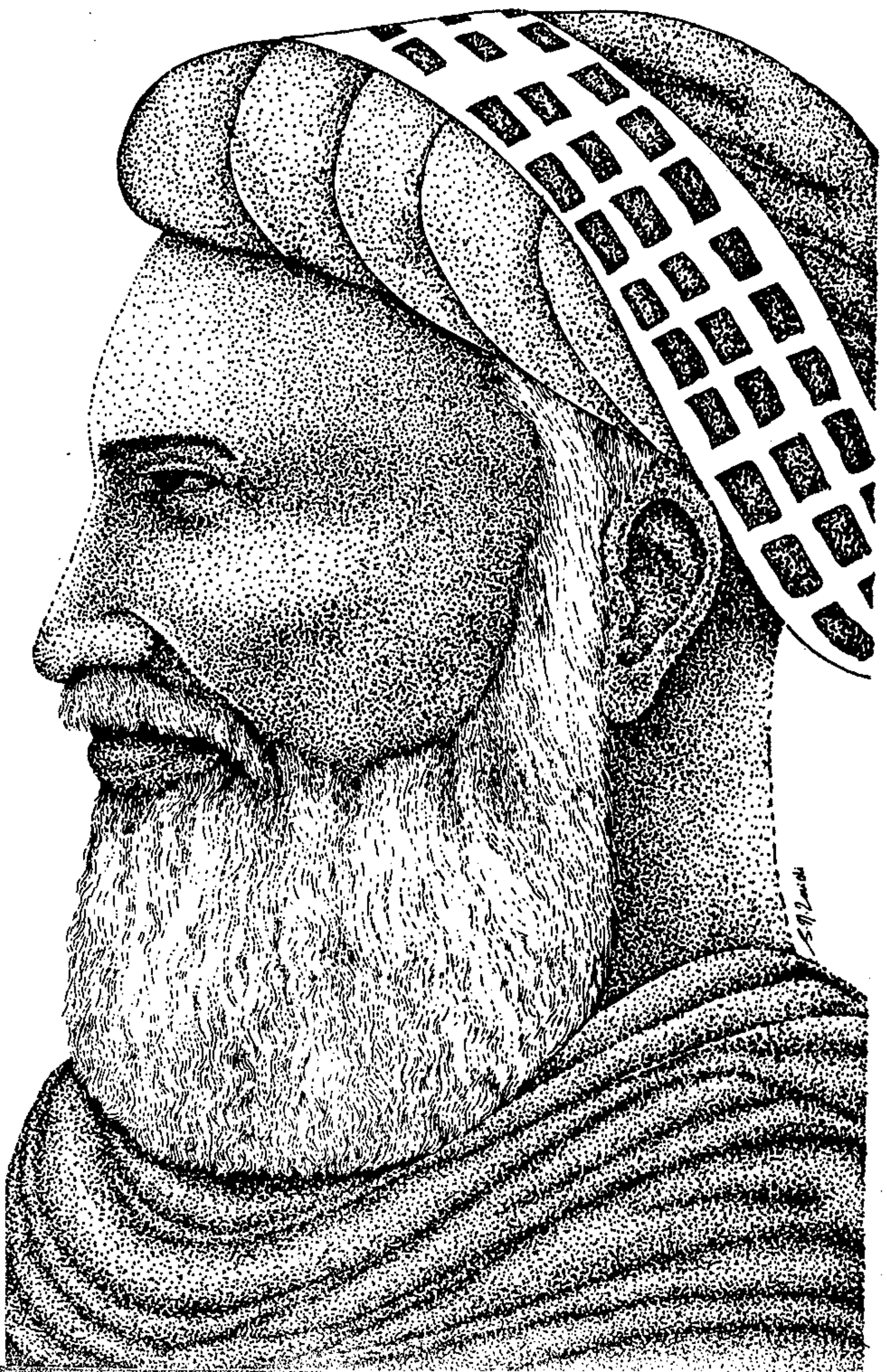

ہے یا رنج اور غصّے کا اظہار کیا ہے۔ ایسی نظموں کو عام طور پر "شہر آشوب" کہا جاتا ہے لیکن سوؔدا کی یہ نظمیں قصیدہ، مثنوی اور دوسری طرح کی نظموں کی شکل میں بھی ہیں۔ غزل میں بھی سوؔدا کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان کے یہاں میرؔ کی سی گہرائی اور پھیلاؤ تو نہیں ہے لیکن وہ دُنیا اور اہلِ دُنیا کے معاملات پر غور کرتے ہیں اور اکثر جگہ شوخی کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ میرؔ کی طرح ان میں بھی یہ خوبی ہے کہ نامانوس الفاظ کے استعمال کے باوجود ان کے کلام میں بڑی روانی ہے۔

(1)

جو گُزری مجھ پہ مت اس سے کہو، ہُوا سو ہُوا
بَلاکَشانِ محبّت پہ جو ہُوا سو ہُوا
مباد، ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہُوا سو ہُوا
پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک، یارو
کوئی سیو، کوئی مرہم رکھو، ہُوا سو ہُوا
یہ کون حال ہے، احوالِ دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہُوا سو ہُوا

(2)

اس قدر سادہ و پُرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے
خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بُت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے
دکھ دہند اور بھی ہیں لیک کسی کے کوئی
دل سا بھی درپئے آزار کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تُو کیوں سوؔدا
جنس دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

معنی اور اشارے

ہُوا سو ہُوا	=	جو ہونا تھا سو ہوگیا، جو بات ہونی تھی ہوگئی۔
بُلاکش	=	مصیبت برداشت کرنے والا، تکلیف سہنے والا
مباد	=	کہیں ایسا نہ ہو۔ (اُردو میں عموماً "مبادا" استعمال کیا جاتا ہے)
گریباں گیر	=	گریباں پکڑنے والا، یعنی سختی سے شکایت کرنے والا
تَلک	=	تک
سرِ زخم	=	زخم کی گہرائی
پُرکار	=	کئی طرح کا، پیچیدہ
بے نمود	=	جو نظر نہ آئے
نمودار	=	نمایاں
دُکھ دہند	=	دُکھ دینے والا
لیک	=	لیکن

غور کرنے کی بات

غزل نمبر ایک، شعر نمبر دو :

معشوق کے ہاتھوں عاشق کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے جس طرح لفظ "ظالم" استعمال کیا گیا ہے وہ بہت خوب ہے۔

غزل نمبر دو کے شعر نمبر تین میں "دُکھ دہند" ایک خوب صورت لفظ ہے جو دیسی لفظ "دُکھ" اور فارسی لفظ "دہندہ" کو مِلا کر بنایا گیا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے

کہ بعد کے لوگوں نے ایسے لفظوں کو چھوڑ دیا اور اس طرح کے نئے لفظ بھی بنانا ترک کر دیے۔ اس شعر میں یہ بات بھی توجّہ کے قابل ہے کہ اس کے الفاظ اتنے زیادہ الٹ پلٹ کر رکھے گئے ہیں کہ بہت کم الفاظ اپنی اصل جگہ پر ہیں، اس کو "تعقیدِ لفظی" کہتے ہیں۔

شعر کی نثر یوں ہوگی: "دُکھ دہند اور بھی ہیں لیک دل سا بھی کسی کے درپئے آزار کہیں دیکھا ہے۔" پُرانے زمانے میں تعقیدِ لفظی کو بُرا نہیں سمجھتے تھے بلکہ غالبؔ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ تعقیدِ لفظی اچھی چیز ہے۔

مشق اور مطالعہ

(1) پہلی غزل کے دوسرے شعر میں لفظ "ظالم" کس کس کے لیے استعمال ہوا ہے؟

(2) پہلی غزل کے ہر شعر میں کسی نہ کسی سے خطاب کیا گیا ہے۔ بتائیے کہ کس شعر میں کس سے خطاب کیا گیا ہے۔

(3) دوسری غزل کے مقطع میں ایک طرح کے کئی لفظ جمع کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے مصرعے میں "کوچہ"، "بازار" اور "سودا"۔ دوسرے مصرعے میں اس طرح کے جو لفظ آئے ہیں ان کو لکھیے۔

(4) ایک ہی طرح کے الفاظ کو شعر میں جمع کرنا "مُراعاتُ النّظیر" کہلاتا ہے۔

(5) محمد قلی قطبؔ شاہ اور ولیؔ کا ایک ایک شعر لکھیے جس میں "مُراعات النّظیر" ہو۔ وہ الفاظ بھی لکھیے جن کی بنا پر اس شعر میں مُراعات النّظیر ہے۔